AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com

Vol. 2, No. 2 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

جمیل جالبی کی "تاریخ اردو ادب": اجمالی جائزہ

JAMEEL JALIBI'S "TAREEKH-E-ADAB-E-URDU": A BRIEF REVIEW

Najeeba Manan
PhD Scholar Urdu Department Women University Mardan
Dr. Saira Irshad
Assistant Professor Urdu Department, Government Sadiq College
Women University Bahawalpur
Saddique
Lecturer Urdu Department, University of Swabi

Abstract

Jameel Jalibi was born Mohammad Jameel Khan on 12 June 1929 in a Yusufzai family of Aligarh, British India.[1][5] His early schooling was in Aligarh. He matriculated in Saharanpur and did his Bachelor of Arts from Meerut College. One day before the partition of India, on 13 August 1947, Jalibi migrated to Karachi, Pakistan, where he continued his education and literary activities. He received Master of Arts in English (1949), Bachelor of Laws (1950), Ph.D. (1971), and DLitt (1973) from Sindh University. Between 1950 and 1953 he served as headmaster at Bahadur Yar Jang School, Karachi. In 1953, he passed Central Superior Services exams and joined Pakistan's Income Tax Department until his retirement. n 1949, Jalibi worked as assistant editor for about six months for Payam-i-Mashriq, an Urdu weekly published in Karachi.[5] From 1950 to 1954, he served as co-editor of an Urdu monthly by the name of Saqi and wrote a monthly column Baatein. He also started a quarterly magazine by the name of Naya Daur.[5]

He performed extensive research on the history of Urdu literature and penned five chronicle volumes with the title Tareekh-e-Adab-e-Urdu, covering 15-20 centuries.[6]

In 1983, Jalibi became Vice-chancellor of Karachi University, where he served until 1987.[5] Then he joined the Muqtadara Quami Zaban (National Language Authority) as its chairman.[1][5]

Jalibi authored over 40 books on criticism, research and culture.[5] He also wrote short stories for children. Jamil Jalibi's "Tareekh-e-adab-e-Urdu"is a work that has a historical significance.

جمیل جالبی کا اصل نام محمد جمیل خان تھا۔ ان کے والد صاحب کا نام محمد ابراہیم خان تھا۔ ان کی پیدائش ۱۲ جون ۱۹۲۹ء کو علی گڑھ میں ہوئی۔ ان کے آباواجداد کا وطن میرٹھ تھا۔ ابتدائی تعلیم علی گڑھ میں حاصل کی۔ میٹرک کا امتحان انھوں نے ۱۹۴۳ء کو پاس کیا۔ میرٹھ کالج سے ۱۹۴۵ء کو ایف اے اور ۱۹۴۷ء کو بی اے کیا تھا۔ اساتذہ میں سے ان کے خاص استاد مولوی محمد اسماعیل (اسماعیل میرٹھی کے شاگرد)، مولوی فیض الحسن اور مسٹر فرانس تھے مولوی فیض الحسن نے ان میں ادبی ذوق پیدا کیا۔ کالج کے اساتذہ میں ڈاکٹر شوکت سبزواری، پروفیسر غیور احمد ندوی اور پروفیسر کرار حسین کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

اپنے نام کے ساتھ انھوں نے "جالبی" کا اضافہ اسی کالج کی تعلیم کے دوران کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صحافت کے صفِ اول کے صحافی سید جالب دہلوی اور ان کے دادا اہم زلف اور رشتے کے بھائی تھے اور ان کے گھر میں جمیل صاحب کا آنا جانا ہوتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اپنا نام جمیل جالبی رکھا۔

تقسیم کے بعد جالبی صاحب کراچی چلے آئے۔ یہاں بہادر یار جنگ اسکول میں پرنسپل مقرر ہوئے۔ اس دوران ایم اے اور ایل ایل بی کی اور بعد میں سندھ یونیورسٹی سے پی ایچ۔ ڈی اور ڈی لٹ کی ڈگریاں حاصل کیں۔ بعد میں یہ ملازمت چھوڑ کر پی اے ایس کے ذریعے انکم ٹیکس افسر مقرر ہوئے۔ بعد میں قبل از وقت ریٹائرمنٹ لے لی اور ادبی کاموں میں منہمک ہو گئے۔ ۱۹۸۳ء میں کراچی یونیورسٹی میں وائس چانسلر مقرر ہوئے اور ۱۹۸۷ء تک یہ ملازمت کی ۔ ۱۹۸۷ء میں مقتدرہ قومی زبان کے چیئر مین مقرر ہوئے۔

ادبی رسائل جیسے "غنچہ"، "پھول" اور "تعلیم و تربیت" باقاعدگی سے پڑھتے رہے۔ اس طرح ادبی دنیا میں قدم رکھا۔ سب سے پہلے بچوں کے لیے بھی کئی کہانیاں لکھ چکے تھے۔ پہلی ادبی تحریر رسالہ "بنات" دہلی میں شائع ہوئی۔ بعد میں کچھ تحریریں ماہنامہ "عصمت" میں بھی شائع ہوئیں۔ پہلی کتاب "جانورستان" ۱۹۵۸ء میں شائع ہوئی۔

اس دوران انھوں نے تاریخ ادب پر کام شروع کیا اور پہلی جلد جو ابتدا سے ۱۷۵۰ تک بنتی ہے لکھی جو ۱۹۴۵ء میں شائع ہوئی۔ یہ انتہائی مشکل اور جانفشا کام تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تاریخ ادب کا بیشتر حصہ پاکستان، ہندستان اور دیگر کئی لائبریریوں میں بکھرا پڑا تھا۔ دیگر یہ کہ قدیم ادب کے حوالے سے بہت سے ایسے نسخے تھے جن پر اعتماد بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ جعلی نسخے بھی بہت تھے جو جالبی صاحب کے لیے مشکالت کا باعث بنے رہے۔

جالبی صاحب کی ادبی تاریخ نگاری کی یہ خصوصیت ہے کہ انھوں نے ان نسخوں کے لیے بہت سی جگہوں کا سفر کیا۔ اس کے لیے ان کی رسائی دہلی، لکھنؤ، بھوپال، دکن اور دیگر اہم شہروں تک براہِ راست رہی۔

جالبی صاحب کے لیے کسی مستند ادبی کتاب کی تلاش بھی ضروری تھی۔ اردو کی پہلی ادبی تاریخ کتاب رام بابو سکسینہ کی "تاریخ اردو ادب" ہے جو انگریزوں کے دور میں لکھی گئی۔ اس کتاب میں بھی نظم و نثر دونوں کو ایک دوسرے سے الگ رکھا گیا ہے۔ ایک اور غلطی یہ بھی ہے کہ کہیں زمانے اور کہیں علاقے کو اولیت دی گئی ہے۔ بعد میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اور پاکستان میں پنجاب یونیورسٹی نے ادبی تاریخیں مرتب تو کیں لیکن ان تاریخوں میں مختلف اشخاص کے حصہ ڈالنے کی وجہ سے ایک عجیب ملغوبہ سا بن گیا۔ ان تاریخوں میں تدوین کے مسائل تھے اور منطقی ربط نہ ہونے کے برابر تھا۔ پنجاب یونیورسٹی کی تاریخوں کو انتظار حسین کے تبصروں نے مزید متنازعہ بنایا اور وہ بڑے عرصے تک چھپنے کی منتظر رہی۔

جالبی کی مرتب کردہ پہلی جلد کو انھوں نے ۱۷۵۰ء تک کی تاریخ پر ختم کیا ہے۔ جلد دوم کو انھوں نے ۱۹۸۲ء میں مکمل کیا۔ اس حصہ میں مزید دو حصے الگ الگ جلدوں میں ہیں جب کہ حصہ سوم صدی کے نصف اول کا احاطہ کرتا ہے۔ بعد میں حصہ سوئم شائع ہوا جو تقسیمِ ہند تک کے احاطے پر مشتمل ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی کے بقول اردو ایک ایسی زبان ہے جو برصغیر کے علاوہ دنیا کے کئی اور ممالک میں بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ مسلمانوں کی آمد کے بعد یہ سب سے پہلے شمالی ہندوستان میں ظاہر ہوئی اور بعد میں وقت کے ساتھ ہر جگہ پھیلتی گئی۔ وہ مزید کہتے ہیں:

> "جب ۱۵۷۲ء میں اکبر نے گجرات فتح کیا تو اردو نے اپنا مرکز تبدیل کیا اور وہ دکن چلی گئی۔
> اورنگ زیب نے جب دکنی مہمات شروع کیں تو دہلی کو زبان کی مرکزیت مل گئی۔ اس زبان پر
> دو اثرات مرتب ہوئے۔ ہندوی اور فارسی۔"(۱)

جمیل جالبی نے گجرات دکن کے ادب کو پہلی بار سیاسی اور تاریخی ثقافتی پس منظر کے ساتھ پیش کیا۔ ادب میں پڑاؤ کی توسیع ادبی روایات کے قیام اور ردوبدل سے واقع ہونے والی تبدیلیوں کا ذکر کیا ہے۔

دوسری جلد میں سترہویں صدی کے آخری چوتھے اور پانچویں عشرے سے لے کر اٹھارہویں صدی تک کے اردو ادب کا احاطہ کیا گیا ہے جس میں جعفر زٹلی سے لے کر میر حسن اور ان کے معاصرین شامل ہیں۔ اس جلد میں اٹھارہویں صدی کے محرکات ومیلانات شامل کیے گیے ہیں۔ جالبی صاحب نے بڑے ہی مدلل اور خوب صورت انداز میں اردو ادب کے حوالے سے کئی مصروفیات کا جواب دینے کی کوشش کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> "اگر تاریخی و تہذیبی تناظر میں دیکھا جائے تو اس دور کی فارسی شاعری کو تو دورزمال کی شاعری کہہ سکتے ہیں۔ کیوں کہ اس تہذیب کی نمائندگی کرتی ہے جو ٹھنڈی ہو کر منجمد ہو رہی ہے۔ اردو زبان وشاعری تو اس دور میں ان نئی انقلابی، سماجی، معاشی، معاشرتی و لسانی تبدیلی کے ہراول دستے کی حیثیت رکھتی ہے جو تیزی کے ساتھ براعظم میں پھیلنے والی ہے۔ فارسی کے زوال کے ساتھ اردو کا عروج وہ پہلا انقلاب تھا جس کے آئینے میں آنے والے دور کا عکس دیکھا جا سکتا تھا۔ اردو زبان و ادب نے ایک طرف مڑنے والی تہذیب کے سارے عناصر کو اپنے اندر جذب کر کے برِ اعظم کی تہذیب کو زندہ جاوید بنا دیا اور اس طرح خود ہی یہ زبان دو عظیم تہذیبوں کا سنگم بن کر نئی تخلیقی قوتوں کے ساتھ ایک بدیسی زبان پر غالب ہو گئی اور دوسری ایسی زبانوں کے لیے راستہ صاف کر دیا۔"(۲)

جلد دوم میں بڑے ہی نپے تلے انداز میں اردو شاعری کے ابتدائی نمونوں اور مذہبی شاعری نیز رزم ناموں کی روایت کا ذکر کیا گیا ہے۔ تیسرا باب جعفر زٹلی کے بارے میں ہے۔ دوسری فصل میں ریختہ گو شاعروں کو جگہ دی گئی ہے۔ اس طرح انھوں نے ابہام گوئی کے حوالے سے خصوصی اہتمام کیا ہے۔ کیوں کہ اس سے پہلے ابہام گوؤں پر کسی نے خصوصی توجہ نہیں دی تھی۔ جمیل جالبی نے ابہام گوئی کی بنیاد، معنی جود تلاش مضمون تازہ پر مضمون لکھ کر اہم کارنامہ انجام دیا۔ وہ لکھتے ہیں:

> "ابہام گوئی کی بنیاد جود تلاش مضمون تازہ پر رکھی گئی اور اس میں یہ چھپی ہوئی خواہش پیش تھی کہ وہ معنی جو زندگی میں باقی نہیں رہے انھیں شاعری میں تلاش کیا جائے۔"(۳)

تیسری فصل میں دلی اور دلی کے شعرا پر اس کے اثرات کا بیان ہے۔ یعنی دلی، دکن، گجرات، سندھ اور پنجاب کے شعرا پر ولی کی پیروی کے اثرات کا تجزیہ کیا گیا ہے، اس طرح جن غیر ابہام گو شعرا اشرف گجراتی اور فائز دہلوی کے متعلق بھی تفصیل بیان کی گئی ہے جو اس سے پہلے کسی کے ہاں موجود نہ تھی۔ یہ بھی ایک دلچسپ امر ہے کہ ولی اور اشرف کے دواوین میں کئی ایک غزلیں ایسی بھی ہیں جو ذرا سی تبدیلی کے ساتھ ایک جیسی درج کی گئی ہیں۔۔ اس حوالے سے انھوں نے پندرہ سے بیس ایسی غزلوں کی نشان دہی کی ہے۔ ولی دکنی پیروی میں ایسے نئے شاعر کو دریافت کیا ہے جس پر ولی کے اثرات سب سے زیادہ پائے جاتے ہیں۔ یہ میر محمود صابر (م ۱۷۶۷۔۶۸) کی ضخیم کلیات ہے۔ جس کی ضخامت ۶۱۶ غزلیات پر مشتمل ہے۔ یہ پورے کا پورا دیوان ولی کے رنگِ

سخن میں ہے۔ چوتھی فصل مرزا مظہر جان جاناں، انعام اللہ خان یقین، عبد الحئ تاباں، محمد فقیہ دردمند اور اشرف علی خان فغاں اور شاہ حاتم کے تفصیلی ذکر پر مشتمل ہے۔ شاہ حاتم کے حوالے سے ایک اور فصل میں یوں تفصیل درج ہے۔ لکھتے ہیں:

> "حاتم کے ہاں پانچ ادلیات ہیں۔ مزید یہ کہ حاتم نے اردو کا پہلا واسوخت ۱۱۳۹ھ اور پہلا شعر آشوب ۱۱۴۱ھ میں تحریر کیا۔"(۴)

اگلی فصل میں میر، سودا، درد، سوز اور میر حسن وغیرہ کا ذکر ہے اور ساتھ ساتھ اٹھارویں صدی کے نثری سرمایے کا بھی تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔ ساتھ ساتھ ان کے تذکرہ نکات الشعرا کو اردو کا پہلا تذکرہ قرار دیا ہے۔ میر از کی مثنوی "خواب وخیال" اور دیوان اثر کا بھی ذکر ہے۔ جعفر علی حسرت کی مثنوی طوطی نامہ کے بارے میں جالبی نے یہ انکشاف کیا ہے کہ یہ مثنوی ان کے کلام میں شامل نہیں ہے۔ فصل ششم میں نثری خدمات کا ذکر کیا گیا ہے۔ نیز تنقیدی، مذہبی، تاریخی اور افسانوی پہلوؤں اور کہاوتوں پر بحث کی گئی ہے۔ اس جلد میں محمد باقر آگاہ کے حوالے سے ان کا سالِ ولادت ۱۷۴۵ء لکھا ہے جب کہ جلد اول میں اسی شاعر کی ولادت ۱۱۳۷ لکھی جا چکی تھی۔ اس حوالے ڈاکٹر گیان چند جین لکھتے ہیں:

> "جالبی کی جلد دوم میں ص ۱۰۱۰ کی تاریخیں صریحاً غلط ہیں کیوں کہ ۱۱۲۰ھ برابر ہے ۱۷۰۸-۰۹ء کے۔ ۱۱۵۸ھ برابر ۱۷۴۵ء کے نہ کہ ۱۷۰۵-۰۶ء کے۔ ظاہر ہے جالبی نے بیان عیسوی سنین ولادت و وفات صحیح لکھے ہیں۔ سن ہجری میں وہ ولادت و وفات کے سنین کو آپس میں ادل بدل گئے ہیں۔ سنہ ولادت ۱۱۲۰ھ دراصل سن وفات ہے ۱۲۲۰ھ ہجری سنہ وفات ۱۱۵۸ء دراصل سنہ وفات ہے۔ جلد اول میں ۱۱۵۰ھ سن ولادت صحیح نہیں۔"(۵)

اس جلد میں ہندوؤں، عیسائیوں اور مسلمان سب کی تصانیف کا ذکر کیا گیا ہے۔ جمیل جالبی نے "نوطرز مرصع" کے اختتام پر لکھا ہے:

> "۱۲۱۳ھ / ۱۷۹۸ء میں شجاع الدولہ کے دربار میں آخر ختم کی۔"(۶)

جب کہ ڈاکٹر ابن کنول نے اس داستان کے زمانہ تصنیف کے بارے میں لکھا ہے:

> "اس داستان کا زمانہ تصنیف ۱۷۶۸ء اور ۱۷۷۵ء کے درمیان ہے۔"(۷)

تاریخ ادب اردو کی جلد سوم انیسویں صدی کے نصف اول کا احاطہ کرتی ہے اور اس کا سنہ اشاعت ۲۰۰۷ء ہے۔ اس حوالے سے جمیل جالبی لکھتے ہیں:

> "اس جلد میں چوں کہ اہم اور بڑے تخلیق کاروں کی تعداد ہے۔ اس ضخامت کے پیش نظر سارے دور کو دو جلدوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ زیرِ نظر جلدیں انیسویں صدی کے نصف اول کے ادب کا احاطہ کرتی ہے۔"(۸)

اس جلد میں پانچ فصلیں ہیں۔ فصلِ اول میں اس دور کے شعرا اور نثر نگاروں کا ذکر کیا گیا ہے۔ فصلِ دوم میں فورٹ ولیم کالج، گل کرسٹ اور دیگر مصنفین و مستشرقین کا ذکر کیا گیا ہے۔ فصلِ سوم میں نوطرز مرصع اور فسانہ عجائب اور ساتھ ساتھ گلشن نوبہار، محمد بخش مہجور اور نورتن، عظمت اللہ نیازی کا

قصد رنگین گفتار، غلام علی عشرت اور داستان سحر البیان کے اذکار شامل ہیں۔ فصل چہارم آتش وناسخ اور ان کے شاگردوں کا ذکر ہے۔ فصلِ پنجم میں واجد علی شاہ اور نظیر اکبر آبادی کے احوال و کوائف درج ہیں۔

جمیل جالبی کی مرتب کردہ ان جلدوں میں تنقید و تحقیق کا معیار بہت ہی معتدل ہے۔ کہیں بھی انھوں نے ذاتی پسند وناپسند کو سامنے نہیں رکھا۔

اب آتے ہیں جلد چہام کی طرف جو تمام جلدوں سے زیادہ اہم ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اس میں جالبی نے زیادہ محنت کی ہے اور چوں کہ اس میں دیگر جلدوں کے مقابلے میں اعتراضات کا خطرہ زیادہ ہو سکتا تھا۔ مگر انھوں نے اس باب میں بھی کسی ادیب کے حوالے سے کوئی ذاتی رائے قائم نہیں کی۔

جلد چہارم کا حصہ اول تین فصلوں پر منقسم ہے۔ فصلِ اول میں سات ابواب ہیں۔ تمہید میں انیسویں صدی (نصف آخر) کی صورتِ حال، رجحانات اور آزادی کی آخری کوشش بغاوت اور پھر ۱۸۵۷ء کے اثرات پر تفصیلی گفتگو کی گئی ہے۔ لکھتے ہیں:

> " قارئین کرام! تاریخ ادب اردو کی جلد سوم کی تمہید کو پڑھ کر پھر جلد چہارم کی یہ تمہید پڑھیے۔ اسی وقت انیسویں صدی کی تصاویر اجاگر ہو کر پورے خدوخال کے ساتھ سامنے آئے گی۔ دراصل جلد سوم کی یہ تمہید انیسویں صدی کے لیے لکھی گئی ہے اور جلد چہارم کی تمہیدیں ان باتوں کو دہرائے بغیر اس صدی کے نصف آخر کے واقعات ورجحانات جو رہ گئے تھے بیان کر دیئے گئے ہیں۔ بالخصوص ۱۸۵۷ء کی بغاوت کے واقعات وغیرہ۔"(۹)

یہ اقتباس ظاہر کر رہا ہے کہ جلد چہارم میں آنے والی باتیں کس موضوع کے حوالے سے ہوں گی۔ چنانچہ غالب کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> "غالب جس دور میں زندہ تھے وہ عبوری دور تھا۔ وہ ان گنے چنے لوگوں میں تھے جن کے خاندان کا تعلق غدر سے پہلے انگریزوں سے قائم ہو چکا تھا۔"(۱۰)

اگلے دور میں غالب کے خاندانی حالات، پس منظر، واردات، حالات، پنشن کا قصہ، کلکتہ کا معرکہ، برہان قاطع کا معرکہ، قید کا واقعہ، مقدمہ ازالہ حیثیت عرفی، اوقات اور خطوط مذکور ہیں۔ غالب کی وفات کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "فشارِ خون میں بھی مبتلا تھے، اور ذیابیطس، فتق ضعف بصر و سماعت، رعشہ، عارضہ، قلنج، فساد دورانِ خون میں مبتلا مجموعہ امراض تھے۔ یادگارِ غالب میں حالی کے حوالے سے لکھا ہے کہ جس دن انتقال ہوا اس سے شاید ایک دن پہلے میں ان کی عیادت کو گیا تھا۔ اس وقت کئی پہر کے بعد افاقہ ہوا تھا۔ نواب علاء الدین احمد خان کے خط کا جواب لکھوا رہے تھے۔ اس کے جواب میں ایک فقرہ لکھوایا، "میرا حال مجھ سے کیا پوچھتے ہو ایک آدھ روز میں ہمسایوں سے پوچھنا"۔(۱۱)

غالب کی شخصیت کے حوالے سے ایک جگہ لکھتے ہیں:

> "غالب کی شخصیت میں ہمیں متضاد پہلو نظر آتے ہیں۔ ایسے پہلو ایک دوسرے کی نفی کرتے ہیں لیکن یہ تضاد عناصر خود ان کی شخصیت میں ایک جان ہو گئے تھے۔ ان کی شخصیت جامع امتداد تھی جسے ہم پہلو دار شخصیت کہہ سکتے ہیں۔"(۱۲)

غالب کے حوالے سے یہ بھی مذکور ہے کہ انھیں یہ شکایت رہی کہ ان کو تخلیقی سطح پر اتنی پذیرائی نہیں ملی جو ملنی چاہیئے تھی۔ جالبی لکھتے ہیں:

> "مجھے اپنے ایمان کی قسم میں نے اپنی نظم و نثر کی داد بہ اندازہ بالیست پائی نہیں۔ آپ ہی کہا آپ ہی سمجھا۔ قلندری و آزادگی، ایثار و کرم کے وداعی میرے خالق نے مجھ میں بھر دیئے ہیں، بقدر ہزار ایک ظہور میں نہ آئے۔"(۱۳)

اگلے باب میں غالب کی تصنیفات اور تالیفات مذکور ہیں جن میں گل رعنا، دیوانِ غالب، عود ہندی، اردوئے معلیٰ، نکاتِ غالب، واقعات غالب، قادر نامہ، انشائے غالب، نامہ غالب اور تیغ تیز کا تعارف اور پھر پنج آہنگ، مہر نیم روز، دستنبو کلیات نثر غالب، قاطع برہان، درفتن کادیانی، کلیات فارسی (نظم)، سبکدہ چین، تاریخ اودھ اور سلسلہ دعاء صباح اور رسالہ فن بانک کا ذکر ہے۔ اسی طرح اگلے باب میں غالب کی شاعرانہ عظمتوں، حسن و عشق، غمِ عشق، غم روزگار، غم ہستی، عظمت انسانی اور فلسفہ، ان کی خوش طبعی، ظرافت اور طرزِ ادا وغیرہ نیز قصائد اور مثنوی وغیرہ کا ذکر ہے۔ اس باب کے ضمیمے میں شاہ نصیر دہلوی، ابراہیم ذوق، بہادر شاہ ظفر، مومن خان مومن اور مصطفیٰ خان شیفہ کے حالاتِ زندگی اور شاعری مختصر لکھے ہیں۔ اسی طرح چند مزید شعرا جیسے سید علی غمگین، نظام الدین ممنون، نواب محمد اصغر علی خان نسیم دہلوی، میر مہدی حسن مجروح، قربان علی، بیگ سالک، قلق میر ٹھی، نظام رامپوری، ظہیر دہلوی اور انور دہلوی کے حالات بھی بیان کیے ہیں۔

فصلِ دوم میں اردو مرثیہ کے حوالے سے جس کے تحت چھ ابواب قائم کیے گئے ہیں۔ اس میں مرثیہ کی روایت و ارتقا و پس منظر اور ساتھ ساتھ انیس و دبیز اور ان کے پیش روؤں میر مستحسن، میر خلیق، مظہر حسین ضمیر، چھنولال اور جعفر علی فصیح مذکور ہیں۔ جالبی میر انیس کے عہد کو مرثیے کا عہدِ زریں مانتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

> "انیس بہت محنتی انسان تھے۔ مرثیہ کہتے تو دن رات محنت کر کے اس کی نوک پلک سنوارتے اور ایسی روانی ایسا آہنگ پیدا کرتے کہ سننے والا مسحور ہو جاتا۔ انھوں نے عام بول چال کی شکستہ زبان اور محاورہ استعمال کیا۔ جیسی محنت وہ مرثیہ کہنے پر کرتے تھے ویسی ہی محنت محنت پڑھنے پر بھی کیا کرتے تھے۔ مرثیہ خوانی میں بھی وہ اپنے وقت کے بڑے استاد تھے۔ دوسرے مرثیہ خواں فن مرثیہ خوانی سیکھتے اور مشق کرنے ان کے پاس آتے تھے۔"(۱۴)

جالبی نے انیس کو عظیم ایپک شاعر کہا ہے اور فردوسی ورجل سے بھی بڑا درجہ دیا ہے۔ اس کے بعد والا پورا باب دبیز کے احوال واقعی پر مبسوط ہے۔ کہتے ہیں کہ وہ زود گو شاعر تھے اور ان کے ہاں زور طبع اور قوت کی روانی کا احساس پوری شدت سے جاری ہے۔ اسی طرح انھوں نے اگلی سطور میں بالترتیب ہر مونس، ہر عتق، ہر تعشق، مرزا محمد حصن اوج اور میر نفیس صاحبان کا ذکر بھی کیا ہے۔ فصل سوم میں اردو نثر کے تنوع، طنز و مزاح کی روایت، اودھ پنچ وغیرہ کا ذکر ہے۔ اس کے لکھنے والوں جوالا پرشاد برق، پنڈت تربھون ناتھ ہجر، نواب سید محمد آزاد جب کہ اکبر الہ آبادی پر الگ سے باب قائم کیا گیا ہے۔ بعد کے ملحقہ باب میں "اردو کے عناصر خمسہ" کے عنوان سے سرخی ڈال کر سر سید کا ذکر کیا ہے۔ اس کی تفسیر کے حق میں دلائل بھی دیئے ہیں۔ سر سید کے سیاسی شعور پر بحث کی گئی ہے۔ اسی طرح الطاف حسین حالی، محمد حسین آزاد، شبلی نعمانی، ڈپٹی نذیر احمد اور ان کی تصانیف کا تفصیلی تذکرہ اور اُن کے کلام پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ چوتھی فصل میں داستانوں جیسے طلسم ہوش ربا اور بوستان خیال اور پھر رتن ناتھ سرشار آزاد پر تفصیلی شذرہ قلم بند کیا ہے۔ اسی طرح

عجائبات فرنگ، سیاحت نامہ کریم خان اور سید مظہر علی سندیلوی اور دینی نثر میں تقویۃ الایمان از محمد اسماعیل دہلوی، غوث علی قلندر پانی پتی اور تذکرہ غوثیہ کا ذکر خیر بھی شامل کیے گئے ہیں۔ کتب تواریخ میں روبیل کھنڈ، ہزیل کھنڈ کے ذکر کے ساتھ اردو نعت کے ذکر میں اسماعیل میرٹھی کے حالات بھی مذکور ہیں۔ آخر میں اس پوری ضخیم جلد کی شخصیات اور کتب ورسائل کا اشاریہ بھی بالترتیب دیا گیا ہے۔

جمیل جالبی کی اس اہم ادبی مساعی کے بارے میں ڈاکٹر گیان چند جین کے یہ الفاظ ملاحظہ فرمائیں:

> "یہ ایک فردِ واحد کا کارنامہ ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ اس وسیع و عریض کام کو اس قدر عمیق گہرائی کے ساتھ اور کوئی فرد یا ادارہ بھی نہیں کر سکتا ہے۔ جالبی نے جس کثرت سے ادبی و غیر ادبی ماخذ کو دیکھا ہے اس کی دوسری نظیر نہیں ملتی۔ ان کا یہ کارنامہ احترام کا طالب ہے۔"(۱۵)

الغرض جمیل جالبی نے تاریخ ادب اردو کی چار جلدیں لکھ کر جو کارنامہ انجام دیا وہ سب سے اہم ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اب تک اردو کی اٹھائیس چھوٹی اور بڑی جلدیں لکھی گئی ہیں لیکن ان سب میں مصنف کی پسند و ناپسند اور گروپ بندی کے مسائل ہیں جب کہ جمیل جالبی والی تاریخ مستند ہے اور غلطیوں اور پسند و ناپسند سے پاک بھی۔

حوالہ جات

۱۔ ڈاکٹر جمیل جالبی، تاریخ ادب اردو (جلد اول) (قدیم دور)، مجلس ترقی اردو، کراچی، ۱۹۸۰ء، ص ۵۲۰
۲۔ ایضاً، جلد دوم، ص ۲۷۔۲۸
۳۔ ایضاً، ص ۱۹۰
۴۔ ایضاً، ص ۳۹۸
۵۔ ڈاکٹر گیان چند جین، مجلس ترقی اردو، کراچی، ص ۲۲۴۔۲۲۵
۶۔ ڈاکٹر جمیل جالبی، تاریخ ادب اردو (جلد دوم)، ص ۱۰۵۰
۷۔ ڈاکٹر ابن کنول، داستان سے ناول تک، مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ، دلی، ۱۹۹۶ء، ص ۵۶
۸۔ ڈاکٹر جمیل جالبی، تاریخ ادب اردو (جلد سوم)، ص ۱۵
۹۔ ایضاً، (جلد چہارم)، ص ۱۵
۱۰۔ ایضاً، ص ۲۹
۱۱۔ ایضاً، ص ۷۴
۱۲۔ ایضاً، ص ۹۱
۱۳۔ ایضاً، ص ۱۰۲
۱۴۔ ایضاً، ص ۶۰۰
۱۵۔ ڈاکٹر گیان چند، اردو کی ادبی تاریخیں، ص ۷۲۸